عالمگیریت اور ابلاغیات کے دور میں دعوت دین کے لیے مکالمہ کی اہمیت

The importance of Dialogue in Dawah in the age Media And Globalization

ڈاکٹر طاہر صدیق

اسسٹنٹ پروفیسر دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Tahirtahir345@gmail.com

ڈاکٹر محمد فیاض

اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلیجیس سٹڈیز ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

Abstract

In the present age, the media and the means of communication have so advanced that a person died fifty years ago, if resurrected in this world, will be embarrassed with this horrible change. The whole world has become a small village in which cultures have been so intermingledthat the stronger one is engulfing the weaker one. However, the distances among individuals belonging to different cultures are shrinking and the political and geographical boundaries are still collapsing.

Due to these drastic transformations, every idea or thinking (good or bad) finds an easy course to make anentryeverywhere as a result every purpose has become attainable. Similarly, every individual, group and ideology has been provided with an equal opportunity of taking advantage and preaching Islamic ideology and injunctions have no exceptions. In the modern age, we find multiple techniques of Dawah in which the technique of Dialogue, whose manifestations are observed on media every day. It is a distinctive way mentioned in the Quran and Sunnah and practiced by Muslims from the very first day in thefield of Islamic Dawah.

This article studies the technique of dialogue in Dawah perspective from the following aspects: Meaning of dialogue, the best way of Dawah, its etiquettes and conditions like it must be among people not religions. Furthermore, its advantages, dialogue or clash, its importance in the age of globalization, the clash between science and church and the self-defeatism of Muslims. The paper proves that Islam prefers the way of dialogue to convey its message and in this regard we find many examples in the Quran and Sunnah. The Muslims, living in the global village, must use this tool to invite humanity to the only way of success in this world and hereafter.

Key words: Dialogue, Ideology,Quran, Global, Communication.

تمہید:

دور حاضر میں ذرائع ابلاغ اور ذرائع نقل وحمل نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ اگر محض پچاس سال پہلے فوت شدہ کوئی شخص دوبارہ دنیا میں آجائے تو اس ترقی اور تبدیلی کو دیکھ کر حیران ہو جائے- اب دنیا سمٹ کر ایک چھوٹی بستی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اب بادشاہوں کو منادی کرنے کی ضروت نہیں پڑتی، مختلف ثقافتیں اور کلچر باہم اکٹھے ہو چکے ہیں، ہر طاقت ور ثقافت کمزور ثقافت کو نگل رہی ہے، سب کچھ کے باوجود مختلف ثقافتوں کے حامل افراد میں اختلاط بڑھ رہا ہے ایک دوسرے سے تعلقات پیدا ہو رہے ہیں ایک دوسرے کی بات سننا اور سمجھنا آسان ہو گیا ہے، عوام الناس کسی ایک ذریعہ ابلاغ اور ذریعہ علم کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ہر قسم کے سیاسی اور جغرافیائی بند ٹوٹ چکے ہیں۔

اس عجیب وغریب تبدیلی نے ہر اچھی اور بری چیز کو کسی رکاوٹ کے بغیر ہر گھر میں داخل کر دیا ہے۔ ہر اچھا اور برا مقصد حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے۔ اس بے پناہ ترقی نے جہاں کئی اچھائیاں پھیلائی ہیں وہیں پہ برائیاں بھی بڑی سرعت سے پھیل چکی ہیں، اور بلاتمیز مذہب ہر انسان اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے، ان حالات میں ایک مبلغ کو اور داعی دین کو ان بے پناہ وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے دعوت دین کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے کے لیے حتی الوسع کام کرنے کی ضروت ہے۔

دعوت وتبلیغ کے لیے جو اسالیب اور طریقہ کار دور حاضر میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے استعمال کیے جاسکتے ہیں ان میں ایک اہم طریقہ یا اسلوب مکالمہ بھی ہے جسے ہم آئے روز الیکٹرانک میڈیا میں دیکھ اور سن رہے ہیں۔ ٹاک شو کے ذریعے مکالمہ ہی کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے اور یہ ایک بہترین دعوتی اسلوب ہے جسے نہ صرف یہ کہ قرون اولی سے مسلمان استعمال کر رہے ہیں بلکہ خود قرآن کریم میں اور احادیث مبارکہ میں اس اسلوب کو کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔

مکالمہ کا مفہوم:

مکالمہ بات چیت کی وہ قسم ہے جو دو اشخاص یا دو گروہوں کے درمیان ہوتی ہے اس میں خیالات کا تبادلہ برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کسی ایک فریق کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوتی۔ جھگڑے اور تعصب وعناد سے دور رہ کر باہمی دوستانہ ماحول میں تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ مکالمہ کے لئے عربی زبان میں "حوار" استعمال ہوتا ہے۔

اور اس حوالے سے محمد راشد دیماس کہتے ہیں:

"هي نوع من الحديث بين شخصين يتم فيه تداول الكلام بينهما بطريقة ما ،فلا يستأثر به أحدهما دون الأخر،ويغلب عليهما الهدوء والبعد عن الخصومة والتعصب"[1]

ترجمہ: یہ بات چیت کی ایک قسم ہے جس میں فریقین آپس میں کسی موضوع پر بات کرتے ہیں، اور دوران گفتگو کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاتی، نیز ساری گفتگو دوستانہ ماحول میں ہوتی ہے جو ہر قسم کے نزاع اور تعصب سے پاک ہوتی ہے۔

ڈاکٹر نخلاوی کی رائے میں مکالمہ سے مراد:

"أن يتناول الحديث طرفان أو أكثر عن طريق السؤال والجواب،بشرط وحدة الموضوع أو الهدف،فيتبادلان النقاش حول أمر معين،وقد يصلان إلى نتيجة وقد لا يقنع أحدهما الآخر ولكن السامع يأخذ العبرة ويكوّن لنفسه موقفاً"[2]

ترجمہ: دو یا دو سے زیادہ افراد سوال وجواب کے اسلوب میں ایک دوسرے سے بات چیت کریں بشرطیکہ موضوع اور مقصد ایک ہی ہو اور کسی مخصوص موضوع پر بحث ہو رہی ہو چاہے یہ گفتگو کسی نتیجہ پر پہنچے یا نہ پہنچے، اتنا ضرور ہوتا ہے کہ فریقین ایک دوسرے کی آراء کو اہمیت دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے موقف پر گہرائی سے توجہ دیتے ہیں۔

قران کریم میں مکالماتی اسلوب کا استعمال:

قرآن کریم میں بنی نوع انسان کے لیے ہر قسم کی ہدایت ورشد پنہاں ہے اور کلام الٰہی میں اسلوب مکالمہ کی تعلیم بھی بدرجہ اتم دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اہل کتاب کو مکالمہ کی طرف اس انداز میں دعوت دی ہے:

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ"[3]

ترجمہ: اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔۔۔اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو۔ ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے)ہیں۔

قرآن کریم میں بیسیوں آیات مکالماتی اسلوب کی تعلیم دیتی ہیں جن میں سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے ، اور مختلف الانواع مخلوقات کے ساتھ خود باری تعالیٰ کے مکالمات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ بہترین قرآنی دعوتی اسلوب ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود مخلوقات سے جو مکالمات کیے ہیں ان پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مکالمے کا دروازہ کسی صورت بند نہیں ہوتا اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اشرف المخلوقات یعنی پیغمبروں سے مکالمات کئے اور اس کے ساتھ ساتھ ارذل الخلق یعنی شیطان اور ابلیس سے بھی مکالمات کیے ہیں اسی طرح فرشتوں سے جنوں سے دیگر مخلوقات سے جو مکالمات ہوئے ہیں ان کی تعداد تقریباً143 سے زیادہ ہے۔

مکالمات الٰہی چونکہ قرآن میں وارد ہوئے ہیں، اور یہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ آیات سراسر ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہیں، جن سے دور حاضر کے ذرائع ابلاغ کے زمانے میں دعوت کے میدان میں بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ دعوتی میدان میں قرآنی تعلیمات سے استفادہ کرنا وقت کی ضرورت بھی ہے اور عالمگیریت کے ماحول میں قرآن کے پیغام کو پہنچانے کا ذریعہ بھی۔

احادیث مبارکہ میں مکالماتی اسلوب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر احادیث مکالماتی اسلوب پر مبنی ہیں، آپ ﷺ کے مکالمات سے کتب تاریخ وسیرت اور کتب حدیث بھری پڑی ہیں، بخاری اور مسلم میں تقریباً 315 مکالمات ہیں جو متفق علیہ احادیث کا درجہ رکھتے ہیں، نیز حدیث کا ایک مفہوم ہی باہمی کلام ہے۔ آپ نے ہر نوع کے افراد سے مکالمات کیے، ان میں دوست و دشمن، گھر والے اور ناواقف، بچے بوڑھے، عورتیں مرد، سب شامل ہیں آپ کے مکالمات کے موضوعات کا احاطہ ہی ناممکن ہے، شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس کا دعوت دین سے تعلق ہو اور آپ نے اس پر مکالمہ نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر سب سے مشہور مکالمہ حدیث جبریل میں نظر آتا ہے جو ایک متفق علیہ حدیث ہے، ملاحظہ ہو:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: مَا الإِيمَانُ؟---فَقَالَ: هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: جَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنَ الإِيمَانِ[4]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ ان کے پاس جبریل (انسانی شکل میں) آئے اور دریافت کیا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ تو اللہ کو ایک مانے اس کے فرشتوں پر ایمان لائے اس کی کتابوں پر اس سے ملاقات پر یقین رکھے، اس کے تمام رسولوں کو مانے، قیامت کے دن پر ایمان لائے—اس نے پوچھا: تو اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو ایک اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے نماز قائم کرے زکاۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، جبریل نے دریافت کیا احسان کیا ہے؟ فرمایا: کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ تو اسے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو یہ یقین رکھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے، اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: اس بارے میں پوچھنے والے سے بتانے والا زیادہ نہیں جانتا، البتہ میں اس کی نشانیاں بتا دیتا ہوں، جب لونڈی اپنے مالک کو جنے گی، اور جب نادار چرواہے لمبی لمبی فلک بوس عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلے کریں گے، پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اس کے بعد آپ نے سورۃ لقمان کی یہ آیت تلاوت کی: بے شک اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے--- پھر وہ پیچھے ہٹ گئے تو آپ نے فرمایا اس شخص کو بلاؤ، صحابہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا، فرمایا: یہ جبریل تھا جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آیا تھا۔ ابو عبد اللہ کہتے ہیں ان سب چیزوں کو ایمان قرار دیا ہے۔

زیر بحث مکالمہ جبریل اور نبی کریم ﷺ کے درمیان انتہائی دوستانہ ماحول میں ہوا موضوع بھی ایک ہی تھا، اور مقصد بھی ایک، سوال جواب کے اسلوب میں بات سمجھائی گئی اور اس سوال جواب یا مکالمے میں فریقین کو کوئی فائدہ ہوا یا نہ ہوا وہاں پر موجود مجمع کو بہت فائدہ ہوا، اور حدیث کے آخری الفاظ اسی طرف دلالت کرتے ہیں کہ جبریل آپ کو آپ کا دین سکھانے آئے تھے۔ آپ ﷺ نے پہلے اجمالی جواب دیئے اور پھر تفصیل بیان کی جیسے قیامت کی نشانیوں کا ذکر ہوا، آپ نے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ اسی طرح کا دوسری حدیث میں بھی مکالمہ کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ایک شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میری بیوی نے کالے بچے کو جنم دیا

ہے آپ اسے مثال سے قائل کرتے ہیں کہ تمھارے گھر اونٹنیاں اور وہ لال رنگ کی مگر کبھی دوسرے رنگ کے بچے بھی ان کے ہاں پیدا ہوتے ہیں۔[5]

اس مکالمے کے فوائد کے حوالے سے علماء نے لکھا ہے کہ:

"شک کی صورت میں قذف نہیں ہو گا اور اس پر حد بھی نہیں ہو گی اور اگر کوئی مفتی سے پوچھنے کے لیے کہے تو یہ غیبت بھی نہیں ہو گی، بیٹا والدین ہی کا شمار ہو گا اگرچہ اس کا رنگ والدین سے نہ ہی ملتا ہو۔ شک کی بنیاد پر نسل اور نسب میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اور اولاد اسی کی ہو گی جس کی چارپائی پر پیدا ہو گی۔ عالم مثالیں دے کر بات سمجھائے تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے"۔

آپ ﷺ نے ایک بدو کو اُسی کے پیشے سے متعلق معاملے کی مثال دے کر سمجھایا اور اسے فوری بات سمجھ آگئی اور یہ نبی کریم ﷺ کی حسن تربیت کا شاہکار ہے۔[6]

مکالمہ بہترین دعوتی اسلوب:

ایک داعی ایک ہی وقت میں کئی دعوتی اسلوب اختیار کر سکتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو جو اسالیب عطا فرمائے ان کا مقصد یہی تھا کہ اپنی قوم کو راہ راست دکھائیں، جو اللہ نے پیغام دیا ہے اسے قوم تک پہنچائیں، دعوتی اسلوب کے حوالے سے فرمایا:قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ[7]۔

ترجمہ: اے نبی کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں اور میرے پیروکار بصیرت سے اپنے رب کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ کی ذات پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

نیز کتب سیرت بھی مکالمات نبوی سے بھری پڑی ہیں ایسے مکالمات کو تو سیرت نگاروں نے بطور خاص ذکر کیا ہے جو نبی ﷺ اور معاندین اور دشمنوں کے درمیان ہوئے جیسے آپ کے اور یہود کے درمیان ہونے والے مکالمات عیسائیوں اور مشرکین کے ساتھ مکالمات، جیسے ورقہ بن نوفل کے ساتھ، اور پھر نجران سے آئے ہوئے عیسائیوں کے ساتھ مکالمہ[8] یہ لوگ بطور خاص نجران سے نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ میں آئے اور سوال وجواب ہوئے اور مکالماتی اسلوب میں بات مکمل ہوئی[9]

دور حاضر بطور خاص ظلم جبر استبداد سرکشی طغیانی اور سفاکی کا دور ہے، امت ہدایات نبویہ سے بہت دور جا چکی ہے، ان حالات میں امت کے تمام افراد کے لیے دعوت دین کو فریضہ سمجھ کر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ فریضہ ہر سطح پر ادا ہونا چاہیے گھر میں کاروبار میں دفتر میں مسجد میں سفر میں حضر میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے، دعوتی فنون میں سے ہر فن سے استفادہ کرتے ہوئے یہ کام کرنا ہو گا۔ ہر قسم کے وسائل کے ذریعے دعوت دین کو امتِ دعوت اور امتِ اجابت میں عام کرنے کی ضرورت ہے اس کے لیے الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے استعمال کی اشد ضرورت ہے بطور خاص انٹرنیٹ کے ذریعے مکالماتی اسلوب کی صورت میں مسلسل دعوت وتربیت کا کام ہو سکتا ہے، اس طرح کسی قسم کی کوئی بھی سیاسی یا جغرافیائی رکاوٹ بھی آڑے نہیں آئے گی۔

دعوت دین کے لیے مکالمہ کے آداب وشرائط:

قرآن کریم، سیرت طیبہ اور احادیث میں مذکور مکالمات سے ہمیں دوران مکالمہ جن امور اور اخلاقیات کا لحاظ رکھنا چاہیے اس کی ہدایات ملتی ہیں، یعنی فریقین کو اخلاقی دائرے کے اندر رہتے ہوئے بات کرنی چاہیے، ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھنا چاہیے، ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات کو ٹھیس نہیں پہنچانی چاہیے، اس قدر شدت نہیں اختیار کرنی چاہیے کہ مکالمہ، مناظرہ لڑائی کا رخ اختیار کر جائے، ایک دوسرے کے مؤقف سے بغض حسد اور تعصب رکھ کر بات نہیں ہونی چاہیے، بلکہ تبادلہ معلومات کے بعد ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیے تاکہ دوسرے کے مؤقف کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ مکالمے کے دوران ہر فریق کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ درست معلومات حاصل کرے، نہ کہ فریق ثانی کو چت کرنے کی پالیسی اختیار کرے، اور بھرپور دلائل اور براہین کے ساتھ دوسرے کو قائل کرے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی کے مخلوق کے ساتھ ہونے والے مکالمات کا جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مکالمات میں ایک طرف خالق کائنات ہے اور دوسری طرف مخلوق میں سے یا تو کوئی اس کا مقبول اور محبوب شخص ہے یا کوئی شدید ترین مبغوض اور مردود، ہر دو صورتوں میں اللہ تبارک وتعالی نے مکالمے کے دوران میں فریق ثانی کو مکمل موقع دیا ہے کہ اپنی پوری بات بیان کرے اور اپنا مؤقف بیان کرے۔

مکالمہ دو ادیان کے درمیان نہیں بلکہ اشخاص کے درمیان ہونا چاہیے ہر شخص جس دین پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ اس کو صحیح سمجھ رہا ہوتا ہے، یا اپنے آباؤ واجداد سے اسی طرح چلے آنے کی وجہ سے اس پر غور وفکر نہیں کرتا، اور ہر مذہب اور دین کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے، اور ہر مذہب کے بانی اور مقدس مذہبی شخصیات ہوتی ہیں جن کے اقوال وافعال پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بین المذاہب مکالمے کی صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ مکالمے کا موضوع کیا ہے؟ کیا کوئی مذہبی شخصیت موضوع ہے؟ کوئی مذہبی مقام موضوع ہے یا کسی مذہب کا بنیادی عقیدہ موضوع ہے؟ ان تمام موضوعات پر مکالمہ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ کسی ایسے موضوع کو زیر بحث لایا جائے جس سے قربت کی بجائے عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کا فائدہ بھی نہ ہو تو ایسے موضوعات مکالمے کے لیے مناسب نہیں ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی[10] عالمگیریت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "اس میں کوئی شک نہیں کہ عالمگیریت کے اس دور میں تہذیبوں کو قریب لانے میں مکالمہ بہترین اسلوب ہے لیکن ہمیں مکالمہ کے لیے ایسے علمی قواعد وضوابط بنانا ہوں گے جن سے مکالمات انسانیت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں، کسی طاقت ور بااثر اور کمزور پسے ہوئے شخص کے درمیان اس وقت تک کسی بات چیت یا مکالمے کا کوئی فائدہ ہی نہیں جب تک کہ یہ مکالمہ اصولوں اور عدل کی پاسداری کرتے ہوئے نہ ہو، اور ہمیں اس بات کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ ہمارے مکالمات مختلف قوموں مختلف تہذیبوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہونا چاہئیں۔ نہ کہ خود ادیان ومذاہب کے درمیان۔ سچ اور جھوٹ جب واضح ہو جائیں تو پھر ان کے درمیان مکالمہ کیا معنی رکھتا ہے، ہم کسی

ایسے مکالمے کو نہیں مانتے جو حق اور باطلکو مساوی رکھتے ہوئے کیا جائے یا کفر اور اسلام اور وحی اور وحی کے بطلان کے موضوع پر ہو"۔[11]

شریعت اسلامی میں کسی کو کسی نظریاتی فکری یا جغرافیائی اختلاف کی وجہ سے کم تر یا برتر سمجھنے سے منع کیا گیا ہے اسلام کسی قسم کے رنگ نسل اور لسانی تعصب کی بنا پر کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتا، اسلام میں تو انسان کو بنی آدم کے طور پر مساوی حقوق حاصل ہیں اس لیے ہر انسان کو اس دنیا میں رہنے اور اس سے استفادہ کرنے کے برابر مواقع ملنے چاہئیں۔

ڈاکٹر عبد الرب نواب الدین[12] "اسلام میں اعتدال اور مکالمہ کی تحریک" کے موضوع پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں "اسلام میں مکالمہ ایک دعوتی منہج اور ذریعہ ہے اس ذریعے کو استعمال کرتے ہوئے ایک طرف جاہلوں اور دشمنوں کی طرف سے اسلام پر لگائے جانے والے بھونڈے اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے، تو دوسری طرف امت مسلمہ کے اندر موجود ایسے لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے جو غفلت میں پڑے رہنے کی وجہ سے حقیقت سے نا آشنا رہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکالمہ شدت پسندی او دہشت گردی کے علاج کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے، یہ اس بیماری کا نہ صرف علاج ہے بلکہ اس سے حفاظت کے لیے ڈھال ہے۔ مکالمہ دو مختلف تہذیبوں کے درمیان غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے شاہ کلید ہے، مکالمے کے ذریعے نفوس پر پڑے تالے کھلتے ہیں لوگوں کو گھل مل کر ایک دوسرے کا مؤقف سننے کا موقع ملتا ہے عقیدے کی اصلاح ہوتی ہے" آپس میں مکالمہ ہونا چاہیے، امت مسلمہ کے اندر آپس میں مکالمات، اختلاف رائے رکھنے والوں کے ساتھ مکالمات، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے مکالمات، جن دشمنوں سے صلح ہو چکی ہے ان کے ساتھ مکالمات، الغرض مکالمہ ہر انداز میں اور ہر صورت میں ایک پر اثر علمی وسلیہ دعوت ہے اور یہ عملی زندگی پر گہرے نقوش ثبت کرتا ہے"۔[13]

دعوت دین میں مکالمہ کے اہم موضوعات:

جہاں تک مکالمہ کے عمومی موضوعات کا تعلق ہے تو ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایسے موضوعات جن پر کسی صورت میں مکالمہ نہیں ہو سکتا، ایسے موضوعات جن پر ہر صورت میں مکالمہ ہو سکتا ہے، ایسے موضوعات جن کے بارے میں اختلاف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ مکالمہ ممکن ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ بالکل ناممکن ہے۔

ایسے موضوعات جن پر کسی صورت میں مکالمہ نہیں ہو سکتا۔ بلا شبہ ہر قسم کے موضوعات پر ہر وقت اور ہر قسم کے ماحول میں مکالمہ نہیں ہو سکتا، جہاں تک ایسے موضوعات کا تعلق ہے جن پر مکالمہ یا بحث ومباحثہ کا امکان ہی نہیں ان میں سب سے اہم غیبی امور، الہیات اور وہ امور ہیں جو انسانی عقل سے ماوراء ہیں، ان کے بارے میں حصول علم کے لیے تو مکالمہ ہو سکتا ہے بعینہ ان موضوعات پر گفتگو مکالمے کا حصہ نہیں بن سکتی، اور پھر بعض موضوعات پر مکالمہ بے مقصد ہوتا ہے، اور بعض چیزیں اسلام میں اس قدر واضح ہیں یا قطعی نصوص میں بیان ہو چکی ہیں کہ ان میں کسی قسم کے سوال جواب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں، ایسے فلسفوں کے بارے میں جن کا روز مرہ کی حقیقی انسانی زندگی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اور لوگ خوب عقل کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں، نیز ایسے موضوعات میں بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے جن کے بارے میں بات کر کے سوائے بحث ومباحثے کے اور کچھ حاصل ہونے والا نہ ہو۔

دور حاضر میں دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی لوگ اسلام میں حلال کی گئی چیزوں کے بارے میں بحث کرتے ہیں کہ یہ حلال کیوں ہیں یا جو حرام ہیں وہ حرام نہیں ہونی چاہئیں، بعض بڑے بڑے سیاست دان یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں مذکور سزائیں ظالمانہ ہیں جہاد وقتال تو حقیقت میں فساد ہے، اس لیے قرآن پر نظر ثانی کرنے کے لیے مکالمہ کیا جائے، یہ بات بالکل شریعت اسلامیہ کی رو سے قابل بحث ومناقشہ ہے ہی نہیں کہ جس کا حکم اللہ نے دیا ہو اس کو روکنے کے لیے مسلمان مکالمہ یا مباحثہ کریں، اس لیے بھی کہ مکالمہ کی تعریف میں ہے کہ گفتگو باہمی رضامندی اور دوستانہ اسلوب میں ہو، اساسیات دین پر قدغن لگا کر کون سے دوستانہ اسلوب میں بات ہو سکتی ہے؟ آج کل حرمت رسول پر باتیں ہو رہی ہیں، اس طرح مذہبی شخصیات یا بانیان مذاہب کے خلاف زہر اگلنے کے بعد وہی لوگ مکالمہ کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو فریق ثانی شاید دوستانہ انداز میں بات نہ کر سکے۔ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ بانیان مذاہب کے خلاف زہر اگلنے یا ان پر اعتراضات کرنے اور ان کی عزت سے کھیلنے والوں کے خلاف ہر سطح پر نہ صرف مذمت کی جائے بلکہ ایسے شریروں کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے حکومتی سطح پر فیصلے کیے جائیں تاکہ کوئی بھی کسی بھی مذہب کے نمایاں بزرگوں کی اہانت کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اللہ تعالی نے خود قرآن کریم میں دیگر ادیان کے ماننے والوں کے بارے میں واضح ہدایت فرمادی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"[14]

ترجمہ: ان کو گالیاں مت دو جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں اس کے نتیجے میں وہ بھی علم نہ ہونے کی وجہ اللہ کو گالیاں دیں گے۔

اسی طرح قرآنی سزائیں درست ہیں یا نہیں ہیں آج کے دور میں ان پر عمل ہونا چاہیے یا نہیں اس موضوع پر بھی مسلمانوں کے لیے مکالمہ کرنا جائز نہیں۔

ایسے موضوعات جن پر ہر صورت میں مکالمہ ہو سکتا ہے جس میں مکالمے کی شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہو، اور یہ بالکل نہیں دیکھا جائے گا کہ فریقین میں کس قدر دوستی یا دشمنی ہے، بدترین دشمن سے بھی مکالمہ ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے تاکہ دشمنی دوستی میں بدل جائے یا کم از کم دشمنی میں کمی آجائے اور فریقین کو سوچنے کا موقع مل سکے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدترین دشمنوں سے مکالمہ جاری رکھا، یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، اس کے باوجود آپ نے اس میں کمی نہ آنے دی، اسی طرح مدنی دور میں آپ نے یہودیوں اور مشرکین کے ساتھ ساتھ ان منافقین سے بھی مکالمات جاری رکھے جن کا نفاق کھل کر سامنے آچکا تھا، اور دوران جنگ بھی آپ اس اسلوب دعوت کو کبھی پس پشت نہ ڈالتے تھے[15] آپ نے نجران کے عیسائیوں سے مکالمہ کیا اس کے بعد مباہلہ کی دعوت دی اس دعوتی اسلوب سے نجران میں اسلام کی روشنی پھیلی اور کئی سعادت مند روحیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔[16]

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ابلیس سے مکالمہ کیا ہے اور اسے اپنے دلائل دینے کا پورا پورا موقع دیا ہے، ایک مکالمہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی بنی نوع انسان کو مکالمے کا اسلوب سکھانے کے لیے بدترین مخلوق سے مکالمہ کرتا ہے: "قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ۔۔۔جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ"[17]

ترجمہ: پوچھا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟ بولا میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹی سے۔ فرمایا، اچھا، تو یہاں سے نیچے اُتر۔ تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے۔ نکل جا کہ در حقیقت تُو اُن لوگوں میں سے ہے جو اپنی ذلّت چاہتے ہیں۔ بولا، مجھے اُس دن تک مہلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔ فرمایا، تجھے مہلت ہے۔ بولا، اچھا تو جس طرح تُو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر اِن انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے اِن کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا: نکل جا یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ یقین رکھ کہ اِن میں سے جو تیری پیروی کریں گے، تجھ سمیت ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

مختصر یہ کہ قرآن وحدیث اور سیرت طیبہ سے ہمیں یہی درس ملتا ہے کہ مکالمہ کو روکنا درست نہیں، چاہے کوئی بدترین دشمن ہی کیوں نہ ہو، اس سے مکالمات جاری رکھنا چاہئیں شاید اللہ تعالی اس کا دل پھیر دے اور وہ بہترین دوست بن جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حال میں دشمن ودوست سے دعوت دین کے ابلاغ یا اصلاح احوال کی خاطر مکالمات جاری رکھے، اسی اسلوب کو صحابہ کرام اور بزرگان دین نے ہر دور میں جاری رکھا۔ سلف صالحین کے اسلوب کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں آج بھی یہ دیکھنا ہے کہ کن حالات میں اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے کون سا اسلوب اپنانا ہو گا، بات چیت کے دروازے بند کرتے ہوئے یہ نہیں تصور کر لینا چاہیے کہ اب نزاع ہی نزاع ہے، علماء ودانشوروں کو اس پر غور کرنا ہو گا کہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا ہے یا مکالمے کے ذریعے اس کشمکش کو کم کرنے کی کوئی صورت باقی ہے، اب تو دور جدید کے ذرائع ابلاغ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ دنیا گلوبل ویلیج بن گئی ہے تہذیبیں اور ثقافتیں قریب آرہی ہیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے زیادہ مواقع مل رہے ہیں ان حالات میں اختلاف اور نزاع کو کم کیا جاسکتا ہے اور مختلف ادیان اور مذاہب کے ماننے والوں کو قریب لایا جاسکتا ہے۔

مکالمہ کے فوائد:

مکالمہ وہ واحد اسلوب ہے جس کے ذریعے ہر نوع کے موضوع پر ہر قسم کے فریق ثانی سے بات چیت ہو سکتی ہے چاہے وہ بہترین دوست ہو یا بدترین دشمن ہو اپنا ہو یا غیر، جاننے والا ہو یا ان جان۔ اس لیے کہ مکالمہ کے ذریعے فریق ثانی کا موقف کھلے دل سے سننے کا موقع ملتا ہے اس کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل ہوتی ہیں، فریقین کو مذکورہ موضوع پر ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملتا ہے، اور مکالمہ کے خاتمے پر فریقین بغیر کسی لڑائی جھگڑے یا نزاعی کیفیت کے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس مناظرے اور مجادلے میں فریقین ایک دوسرے کو ہرانے اور شکست دینے آتے ہیں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانا مطلوب ہوتا ہے، اس لیے عجیب وغریب طریقے اختیار کیے جاتے ہیں اور معاملہ مزید نزاکت اختیار کر جاتا ہے، جبکہ مکالمہ کا مقصد دوسرے کو نیچا دکھانا نہیں، بلکہ اس کی اصلاح کرنا ہوتا ہے اس لیے اس میں تربیتی اور اصلاحی انداز اختیار کیا جاتا ہے، بالفاظ دیگر مکالمہ کرتے ہوئے مسلمان کے اندر ایک داعیانہ تڑپ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ فریق ثانی کی ایسی اصلاح ہو کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو، اس طرح فریقین میں اخلاص مد ری اور غمگساری پیدا ہوتی ہے، مکالمہ الفت ومحبت کے انداز میں ہونے کی وجہ سے فریقین کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر فریق ثانی حق بات قبول نہ کرے یا اس کو مؤقف پسند

نہ آئے، کم از کم اس کے اندر فریق اول کے لیے محبت کے جذبات ضرور پیدا ہوں گے۔اس طرح فریقین کو دوبارہ ملنے کا اشتیاق رہے گا اور محبت پروان چڑھے گی، ملاقاتوں اور مکالمات میں تیزی آنے سے شاید حق بات دل میں گھر کر جائے اور داعی کی داعیانہ کاوش کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

مکالمے کے ذریعے فریقین کو موضوع کی ہر جہت پر بھرپور بات کرنے اور سوالات وجوابات کا موقع ملتا ہے، اگر جانبین میں سے کسی کے ذہن میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جائے تو اسے ختم کرنے کا موقع میسر ہوتا ہے، دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، ایک دوسرے کی طبیعت، مزاج، قبول حق کے جذبات، سوچ وفکر، نظریات، علمی حیثیت، خاندانی پس منظر الغرض دوستانہ انداز میں فریقین ایک دوسرے کے بہت قریب ہو جاتے ہیں اور اگر ایک فریق دوسرے کو قائل نہ بھی کر سکے کم از کم فریقین کے درمیان اختلافات وجہ مخالفت نہیں رہتے۔

دعوت کا بہترین اسلوب ہونے کے ناطے مکالمہ تعلیم دین اور اصلاح عقیدہ کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے، قرآن وحدیث سے ہمیں اثبات حق اور ابطال باطل کے موضوع پر مختلف مکالمات ملتے ہیں جو براہ راست عقیدہ توحید، آخرت اور ابطال کفر وشرک کے موضوعات پر مبنی ہیں جیسے، موسی علیہ السلام اور فرعون کے مکالمے[18] ابراہیم علیہ السلام اور نمرود وآزر کے مکالمے[19] دیگر انبیاء کے اپنی اقوام سے مکالمے۔[20]

علامہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی کی کتاب " الملل والنحل میں کثرت سے مکالمات موجود ہیں[21] اسی طرح ابن رشد، علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ تعالی نے اس اسلوب کو بطور خاص استعمال کیا ہے[22] دور حاضر میں سید ابو الاعلی مودودی نے بھی اسلوب مکالمہ کو اختیار کیا ہے۔[23]

عالمگیریت اور جدید عالمی نظام ٹکراؤ یا مکالمہ:

دور حاضر کو عالمگیریت کا دور کہا جاتا ہے، اس دور کی خاص بات ذرائع ابلاغ اور ذرائع مواصلات واتصالات ہیں، جنہوں نے اس زمانے کو سابقہ تمام زمانوں سے ممتاز کر دیا ہے اور دنیا سمٹ کر ایک گاؤں کی صورت اختیار کر گئی ہے۔اس مٹتے ہوئے فاصلے نے کئی دانشوروں اور مفکرین کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کے درمیان قربت کے لیے مکالمات کا اسلوب اختیار کیا جائے اور پرانے زمانوں کے برعکس ٹکراؤ سے بچتے ہوئے ہر اچھی چیز کو اپنایا جائے۔ذرائع ابلاغ نے مکالمہ کے لیے ایک اچھا سٹیج فراہم کیا ہے، اگر اس کو بطریق احسن استعمال کیا جائے تو احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا ہو سکتا ہے۔

بلا شبہ گزشتہ صدی ڈیڑھ صدی سے مغرب نے سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کی اور اسی کی وساطت سے دیگر میدانوں یعنی معاش معاشرت اقتصاد صناعت تجارت عسکریت ابلاغیات وغیرہ میں بھی مرعوب کن ترقی کر لی ہے، لیکن اس ترقی کو استعمال میں لاتے ہوئے انہوں نے دیگر ممالک کے تمام اداروں پر نہ صرف اپنی دھاک بٹھادی ہے، بلکہ منڈیوں سے لے کر عسکریت تک اور ذرائع ابلاغ سے لے کر نظریات وافکار تک پر قبضہ جمانے کی سعی کر چکے ہیں کسی حد تک کامیاب بھی۔اس فکری یلغار میں بطور خاص مغرب نے اپنی تہذیب وثقافت کو غالب کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں، جبکہ خود مغرب میں فکری طور پر کیپٹل ازم لبرل ازم کمیونزم سوشل ازم اور دہریت نے خوب زور پکڑا اور وہاں گزشتہ صدی میں ان فلسفوں

کے بڑے بڑے مفکر اور فلسفی پیدا ہوئے، دوسری جانب مشرق میں علوم و ٹیکنالوجی نے کوئی ترقی نہ کی بلکہ اہل مشرق مغربی ترقی سے مرعوب ہوئے اور اسی کے مرہون منت ہو کر رہ گئے، اسی انحطاط اور زوال کے باعث عالم اسلامی سمیت مشرق کے کئی ممالک کو تیسری دنیا کا درجہ دے دیا گیا، جبکہ سائنسی ترقی کی بابت امریکہ اور یورپ کو پہلی دنیا یا فرسٹ ورلڈ کا درجہ مل گیا، جس کا سبب ان کی مادی ترقی تھی، اسی مادی ترقی کی کوکھ سے جنم لینے والے نظریات نے مغرب پر حکمرانی شروع کر دی اور مذہب اور کلیسا کو دیس نکال دے دیا گیا، جس کے ساتھ ہی اخلاقیات اور انسانی اقدار بھی بے رحم طوفان مادیت کی لہروں کی نظر ہو گئے۔

جہاں تک اسلامی دنیا کا تعلق ہے تو خلافت اسلامی کی آخری چنگاری ترکی کی صورت میں ٹمٹمارہی تھی جس کا دیا بالآخر گل کر دیا گیا اور مسلم دنیا کے کئی ٹکڑے کر دیے گئے، اور یہ ٹکڑے چھین یا ستاون ہونے کے باوجود دنیا میں اپنا کوئی وزن رکھتے ہیں نہ حیثیت، ہر سال ایک جگہ جمع ہونے والے مسلم ممالک کے لیڈران سوائے کھانے پینے، سونے گپ شپ اور سیر تفریح کے کوئی کام نہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس کوئی اختیار ہے، تقریباً تمام مسلم حکمران اپنے مغربی آقاؤں کی آشیر باد سے ہی حکمرانی کرتے ہیں اور خود اپنی آزاد مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسلامی دنیا میں اسلامی اقدار کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے بلکہ خود اپنوں نے ہر قسم کی اقدار روایات اخلاقیات تہذیب اور غیرت کا جنازہ نکال کے رکھ دیا ہے۔

خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلم ممالک یا مسلمانوں کا دنیا کی حکمرانی میں کوئی کردار ہی نہیں، اس کے باوجود جب ترکی نے ہر قسم کی مغربیت کو اپنے اوپر مسلط کر کے یورپین یونین میں شامل ہونے کے لیے درخواست دی تو مغرب نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ ترکی کا ماضی اسلام کے ساتھ جڑا ہوا تھا اس لیے اسے یورپین یونین میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مغربی مفکرین اور دانشور آج بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ مستقبل میں اگر مغرب سے ٹکرانے کی قوت کسی فلسفے یا نظریے میں ہے تو وہ اسلام ہی ہے اور مقابلہ اسلام اور مغرب ہی کا ہو گا، اسی لیے آئے روز ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب اور مغربی افکار کے حاملین کی طرف سے اسلام کے خلاف ثقافتی مذہبی سیاسی اور سماجی یلغار کے ساتھ ساتھ عسکری اور اقتصادی یلغار بھی جاری رہتی ہے۔ ماضی قریب میں قرآن کی بے حرمتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی ذات گرامی کی اہانت، مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے، مسلم مفکرین اور علماء کی تذلیل، جیسے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

مغرب نے اسلام کو اپنی ہم پلہ طاقت سمجھتے ہوئے اسے زیر کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اور وہ جان چکے ہیں کہ ان کے نئے عالمی نظام کے سامنے اگر کوئی بند ہے تو وہ اسلام ہی ہے، جبکہ وہ اپنا نام نہاد عالمی نظام پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اسلام چودہ سو سال پہلے ہی عالمی نظام ہونے کا اعلان کر چکا ہے، اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا، اسلام ہی ہر زمان و مکان کے لیے بیک وقت قابل عمل و قابل تنفیذ ہے، کسی اور نظام میں یہ صلاحیت نہیں کہ اسلام کا مقابلہ کر سکے، اس لیے مغرب اسلامی نظام ہی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ عالمگیریت کے اس زمانے میں جبکہ تمام تر ظاہری اسباب اور قوت نیو ورلڈ آرڈر والوں کے پاس ہے مسلم ممالک میں آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہے، سیاسی قیادت اپنی مصلحتوں کی امین ہے، تو ان حالات میں مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ کیا نئے عالمی نظام کو اسلامی عالمی نظام

کا متبادل قرار دے دیا جائے اور امریکی سیادت کو قبول کر لیا جائے یا اسلام کی آفاقیت اور حقانیت کو ثابت کیا جائے، جو لوگ اس وقت نئے عالمی نظام کی بات کر رہے ہیں ان میں مسلمان بالکل شامل نہیں ہیں، اسلامی افکار و نظریات اور قرآن و حدیث کے برعکس اس کے بڑے مفکرین میں یہود و نصاری اور سرمایہ دارانہ نظام کے حامی شامل ہیں جو نئے عالمی نظام کو دنیا میں نافذ کرنا چاہتے ہیں، جس کے ذریعے وہ دنیا کے تمام تر ماخذ و منابع پر بھی قبضہ کر سکیں اور مادیت کے ساتھ ساتھ نظریات اور افکار کو بھی اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکیں اور ساری دنیا میں کوئی بھی ان کے خلاف بولنے والا نہ ہو۔

تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ پر لکھنے والے معروف سکالر Samuel Huntington نے اپنی کتاب میں یہ رائے دی ہے کہ آئندہ مغرب کا مقابلہ مسلمانوں سے ہونے والا ہے وہ لکھتا ہے:

> On both sides the interaction between Islam and the West is seen as a clash of civilizations. The West's "next confrontation," observes M. J. Akbar, an Indian Muslim author, "is definitely going to come from the Muslim world. It is in the sweep of the Islamic nations from the Maghreb to Pakistan that the struggle for a new world order will begin." Bernard Lewis comes to a similar conclusion:
> We are facing a mood and a movement far transcending the level of issues and policies and the governments that pursue them. This is no less than a clash of civilizations-the perhaps irrational but surely historic reaction of an ancient rival against our Judeo-Christian heritage, our secular present, and the worldwide expansion of both.

ترجمہ: اسلام اور مغرب کے درمیان تعلقات کو دونوں اطراف سے تہذیبوں کے درمیان تصادم کے طور پر دیکھا جاتا ہے. ایک ہندوستانی مسلمان مصنف ایم جے اکبر کے مطابق مغرب کے لیے "مستقبل میں مقابلہ، یقینی طور پر مسلم دنیا سے ہونے والا ہے. یہ بات مراکش سے پاکستان تک تمام اسلامی ممالک میں سمجھی جا رہی ہے کہ ایک نیو ورلڈ آرڈر کے لئے جدوجہد شروع ہونے کو ہے. "برنارڈ لیوس بھی اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہم ایک مزاج اور ایک تحریک کا سامنا کر رہے ہیں جو کہ ہمارے مسائل، پالیسیوں اور حکومتیں جو ان پر اثر انداز ہوتی ہیں، سے بالا تر ہے۔ یہ یقینا تہذیبوں کے درمیان تصادم سے کم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات خلاف عقل ہو لیکن یہودی عیسائی مشترکہ ورثے کے قدیم مخالفین کا، لادینیت اور پوری دنیا میں ہمارے پھیلنے کا یقینا یہ ایک تاریخی رد عمل ہے۔[24]

الامام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض سعودی عرب کے شعبہ تعلقات عامہ کے پروفیسر ڈاکٹر احمد سیف الدین نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ Samuel Huntington نے لکھا ہے کہ ٹکراؤ تمام تہذیبوں کے درمیان ہو گا لیکن اس نے ایک ہندوستانی مسلمان کا سہارا لے کر مسلمانوں کی بات مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی ہے، اور یہ غلط ہے، اسے چاہیے تھا کہ براہ راست اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کا ذکر کرتا حالانکہ وہ خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ اگلا محاذ مسلمانوں ہی کے ساتھ ہو گا۔[25]

وہ لکھتے ہیں:

"اس مغربی مصنف نے آگے چل کر اپنے ہارورڈ کے استاد برنارڈ لیوس، کا سہارا لیا ہے جو یہودی ہے اور وہاں تاریخ کا پروفیسر تھا۔ یہ وہی یہودی تاریخ نگار ہے جس نے اس سے قبل مسلمانوں کی تاریخ اور اصل الاصول کو مسخ کرنے کے لیے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن بالکل وہی نہیں ہے جو حضور کے زمانے میں تھا بلکہ اس میں تحریف ہو چکی ہے، ہنٹنگ ٹون نے اسی متعصب کا سہارا لے کر اس کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ اگلی محاذ آرائی مسلمانوں اور ہمارے درمیان ہو گی، جس میں ایک طرف مسلمان ہوں گے اور دوسری طرف یہودی عیسائی اور مغربی سیکولر ہوں گے، اور یہ کوئی غیر معقول بات بھی نہیں ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ سے ہمارے دشمن رہے ہیں۔ اور وہی اب بھی ہمارے لیے سب سے بڑی رکاوٹ بنیں گے"۔[26]

ڈاکٹر صاحب مکالمے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مغرب کی طرف سے اس طرح کی متعصّبانہ آراء اور تصنیفات منظر عام پر آنے کے بعد مکالمہ کی اہمیت کیا رہ جائے گی جب کہ مسلمان مفکرین اور دانشوروں کی طرف سے اس طرح کی تحریریں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں، اس کے باوجود کہ مکالمہ کی شروط اور آداب کا بالکل خیال نہ رکھا جائے ہمیں مکالمہ کا دروازہ کھلا رکھنا ہو گا، یہ طریقہ ہمارے نزدیک بالکل کٹ جانے ہٹ دھرمی اور ٹکراؤ سے بہر حال بہتر ہے۔[27]

عالمگیریت کے زمانے میں دعوت دین کے لیے مکالمہ کی ضرورت واہمیت:

عالمگیریت کے زمانے میں اسلام کی یہ حقانیت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ عالمگیر مذہب اور دین ہی اس زمانے کے لیے قابل عمل ہے جو دنیا کو ایک نظام کے مطابق چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے، نبی کریم ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لیے نبی بن کر تشریف لائے اللہ تبارک وتعالی رب العالمین ہے تو آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں ارشاد باری تعالی ہے:

" وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ" اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے[28] مزید ارشاد ہے "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ"[29] کہہ دیجئے "اے انسانو، میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً"[30] مجھے تمام انسانوں کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے۔ الغرض قرآن آفاقی پیغام ہے، حدیث تمام انسانوں کے لیے رہنمائی ہے رسول تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ کے پیغمبر ہیں اس لحاظ سے ہر زمان ومکان کے لیے اگر کوئی دین یا نظام بہترین ہو سکتا ہے تو وہ اللہ کا دین اسلام ہی ہے۔

نبی آخر الزمان ﷺ کی امت خیر امت ہے نبی کے پیغام کو دنیا میں پھیلانا اس کا فرض منصبی ہے اگر یہ امت بار نبوت کو اٹھائے گی تو بہترین امت کہلائے گی، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ[31] "اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور فرمایا "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ و أولئك هم المفلحون"[32] تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

بہترین مسلمان وہی ہے جو نیکی کا حکم دے برائی سے روکے ہر حال میں شریعت کی پابندی کرے، اسلام کے مزاج ہی میں خیر خواہی ہے، یہ اعلی اخلاق وسمات اورامتیازی اوصاف ہیں جو ایک مسلمان کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں، حدیث شریف میں مؤمن کی خیر خواہی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے"عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ"[33]حضرت تمیم الداری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کانام ہے ہم نے عرض کیا کس چیز کی؟ فرمایا: اللہ کی اس کی کتاب کی اس کے رسول کی مسلمانوں کے ائمہ کی اور تمام مسلمانوں کی۔

سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انسان کو دوزخ سے بچا کر ابدی جنتوں کا راستہ بتایا جائے اور وہ دعوت اسلام ہے جو ایک انسان کو مسلمان بناتی ہے اور اخروی زندگی کی کامیابی کی ضمانت دیتی ہے، اس لحاظ سے داعیان دین کے لیے موجودہ دور میں دین حق کی اشاعت اور ترویج کا فریضہ ادا کرنا زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ دور جدید کے اسباب، اسالیب اور آلات ابلاغ کو استعمال میں لاتے ہوئے دین کی دعوت کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے میں اپنا حصہ ڈالیں اور ذرائع ابلاغ ومیڈیا کو اس مقصد کی خاطر بطریق احسن عمل میں لائیں۔

سائنس اور کلیسا میں کشمکش اور مسلمانوں کی مرعوبیت:

مغرب میں کلیسا اور سائنس کی کشمکش میں ایک طرف کلیسا ہر قسم کے حقیقی دینی علوم سے خالی ہونے کی وجہ سے بدنام ہوا تو دوسری طرف سائنس نے بغض کلیسا میں اپنے آپ کو تمام تر اخلاقی حدود وقیود سے نکال کر مجرد اور مادہ پرست کے روپ میں لانے کو ترجیح دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی سائنسی ترقی سے متاثر ہو کر اہل مشرق نے بھی مذہب بیزاری ہی کو اپنالیا، اور مغربی مرعوبیت کو دین اسلام پر ترجیح دے دی گئی۔ مسلمانوں کی حالت یہ ہو گئی کہ قرآن کے حکم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور اس کے مقابلے میں مغربی فلسفیوں کی بات کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے، اس مرعوبیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی نے 1981 میں ایک میگزین کے اداریے میں بڑا خوب صورت تبصرہ کیا ہے فرماتے ہیں:[34]

> "حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور میں امت مسلمہ مرعوبیت کی انتہاء تک پہنچ چکی ہے، فکری، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی غلامی مسلمانوں نے اپنا مقدر بنالی ہے یہی وجہ ہے کہ مغرب اور امریکہ کی طرف سے آنے والی ہر چیز کو بلا سوچے سمجھے قبول کیا جاتا ہے جس چیز پر بھی یورپ وامریکہ کی مہر لگی ہو چاہے ان ممالک کا نام ہی استعمال ہوا ہو مسلمان ایمان کی حد تک اس کی بہتری اور معیار کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ یہ چیز اچھی ہے یا بری، اچھے استعمال کے لیے ہے یا برائی کا منبع۔ مسلمان اس قدر مغرب سے مرعوب ہو چکے ہیں کہ اس ذہنی غلامی پر ماتم ہونا چاہیے، اسلامی ممالک بطور خاص ہمارے اپنے ملک کے بیشتر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب بازار میں کوئی ایسی چیز دیکھتے ہیں جس پر مشرقی ممالک کا لیبل لگا ہو اس چیز سے اس طرح دور بھاگتے ہیں جیسے اچانک سانپ نظر آگیا ہو اور اگر اپنے ہی ملک کی مہر لگی ہو تو تیوری چڑھا کر اس سے اس طرح منہ پھیرتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی مکروہ چیز دیکھ لی ہے ہاں البتہ کسی ایسی چیز پر نظر پڑ جائے جس پر MADE IN U.S.A اور EURUPE MADE

IN لکھا ہو تو آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتے ہیں اس کی طرف قلب وروح کے ساتھ لپک پڑتے ہیں بلکہ منہ میں پانی بھر آتا ہے اگرچہ یہ لیبل جعلی ہی کیوں نہ لگا ہو"۔[35]

مغرب کی طرف سے آنے والے ہر رطب ویابس کو اندھوں کی طرح قبول کرنے کے اسباب کے حوالے سے لکھتے ہیں: کسی قوم کو اپنے سے سربلند سمجھنے اور اس کا اقرار کرنے کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ غالب قوم کی نقالی کی جاتی ہے انفرادی و اجتماعی ندگی کے میدان میں تہذیب وثقافت کے میدان میں رسم ورواج میں الغرض زندگی کے تمام شعبوں میں غالب قوم کی تقلید و نقالی پر فخر کیا جاتا ہے۔ مغلوب اور غلام قوم آقا اور غالب قوم کا طرز زندگی اختیار کرنے کو کامیابی تصور کرتی ہے ان کے سے کھانے کھائے جاتے ہیں ان جیسے لباس پہنے جاتے ہیں، آراء اور فیصلے کے لیے ان کے طرز عمل کو سرچشمہ ہدایت سمجھا جاتا ہے افکار و نظریات اور تعلیم وثقافت جیسے امور میں بھی ان ہی کو مشعل راہ سمجھا جاتا ہے۔[36]

ڈاکٹر صاحب عظیم مسلمان مفکرین اور دانشوروں او دور حاضر کے یورپی فلاسفہ کا تجزیہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی اپنے میراث علمی سے لاعلمی پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"یورپی فلاسفہ و مفکرین کی تعریف و مدح کی جاتی ہے اور ان کے حوالہ جات دیتے ہوئے اپنے آپ کو ایک ماہر فلسفی اور عالم ثابت کیا جاتا ہے ان فلاسفہ کا مرتبہ اس قدر بلند کر دیا گیا ہے کہ قرون اولی سے لے کر آج تک مسلمان علماء و ماہرین فنون کو وہ اہمیت بالکل نہیں دی جاتی مشرق کا تعلیم یافتہ سیاست دان جو اہمیت جان لوک روسو اور دوسرے مفکرین و فلاسفہ کو دیتا ہے اس کا عشر عشیر بھی ماوردی ابو یعلی اور فارابی جیسے مفکرین کو نہیں دیتا اس لیے کہ وہ ان کے بارے میں جانتا ہی نہیں اسی لیے مغربی مفکرین کو ہدایت و رشنی کا منبع سمجھتا ہے حالانکہ مسلم سیاست دانوں نے سیاست کے میدان کو فی الواقع منور کیا قانون کے میدان میں جن جہال نے اوزاعی شیبانی سرخسی وغیرہ کا نام ہی نہیں سنا وہ گوریشس اور اس کی روحانی اولاد اور لاؤٹر ہی کو روشنی کا ایسا ستارہ سمجھے بیٹھے ہیں جس کے ذریعے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، نیز ہمارے ایسے بھائی جن بے چاروں نے امام ابو حنیفہ شافعی احمد اور ابو یوسف رحمہم اللہ کا نام ہی نہیں سنا جنہوں نے علوم فقہ سے ساری دنیا کو منور کر دیا وہ تو ضرور آسٹن، آئیور جینگ اور کیلسن کا پلو تھامیں گے تاکہ ان کی اقتداء میں قانون اور فقہ میں ٹامک ٹوئیاں ماری جائیں، اور جو لوگ امام غزالی ابن رشد فخر الدین رازی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ظاہر ہے وہ تو ٹامسہابس اکیوناس کانٹ اور رسل ہی کے فلسفہ کو اپنا امام و پیشوا بنائیں گے۔[37]

مکالمہ ایک انسانی ذریعہ ابلاغ ہے انسان ہی وہ مخلوق ہے جو ایک دوسرے سے مکالمہ کر کے اپنے معاملات حل کر سکتی ہے اور آغاز آفرینش سے ہی انسان اس ذریعہ کو استعمال کرتا آیا ہے، نیز انسانوں کے درمیان کشمکش اور نزاع بھی آغاز سے جاری ہے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا اس کے بعد سے یہ سلسلہ بھی اولاد آدم میں جاری ہے، اس کشمکش میں لازما ایک گروہ حق پر ہوتا ہے اور دوسرا ناحق پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے عالمگیریت کے اس زمانے میں دعوت دین کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ شریعت اسلامی کی مکمل رہنمائی میں سنت رسول کے مطابق باطل کو باطل ثابت کرنے اور حق کو قائم کرنے کے لیے زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھرپور حکمت اور کمال تدبر سے اس فرض منصبی سے عہدہ برآ ہوں، حق و باطل

کی کشمکش میں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ حق و باطل میں یہ ٹکراؤ اور کشمکش ہوتی آئی ہے اور مستقبل میں ہوتی رہے گی، البتہ دعوت و تبلیغ میں میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان حالات میں ہدایات الہیہ کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھیں، اور اس سنت تکوینی کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس دنیا میں کامیابی اور ناکامی کے معیار اخروی معیار سے بالکل مختلف ہیں۔ عالمگیریت کے اس زمانے میں مغرب اور اسلام کے درمیان اس کشمکش میں مکالمے کے کردار کو اجاگر کرنا اور فریقین کو ایک دوسرے کے قریب لانا اور ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کا موقع مہیا کرنا داعی کا اولین فریضہ ہے چونکہ کہ سب سے بڑی آزمائش جہالت لاعلمی اور تہذیبوں کی دوری اور ناواقفیت ہوتی ہے جس قدر قربت ہو اسی قدر معاملات کو سلجھانے میں مدد ملتی ہے ،اس لیے مکالمے اور مناظرے میں فرق روا رکھنا ہو گا معرکہ آرائی کی جہاں ضرورت ہو وہاں ہونا چاہیے لیکن جہاں محبت والفت سے معاملہ سلجھ جائے وہاں معرکہ کو اولیت نہیں دینی چاہیے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب کلیسا کے ظلم وجبر اور استبداد کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئی ہے جہاں ہر اس چیز کو نفرت سے دیکھا جاتا ہے جس کا تعلق مذہب سے ہو چاہے وہ مذہب کلیسا کا ہو یا کوئی اور ، کیونکہ عیسائی مذہبی پیشواؤں نے سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کی ترقی کو روکنے کے لیے ہر قسم کا ظلم وجور کیا، اس کو مذہب کا دشمن قرار دیا لوگوں کو زبردستی علم سے روکنے کے لیے ہر قسم ہتھکنڈے اختیار کیے، اور جب ہر قسم کی مزاحمت کے باوجود کلیسا کو معاشرے نے مسترد کر دیا تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا کی طرف سے صحیح اور درست رائے اور فیصلے کو بھی لوگوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ دین اور اہل دین کی ہر ہر بات کو نفرت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑا، اس میں افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ان کے یہ سارے فیصلے اور نفرتیں کسی حقیقی علمی دلیل کی بنیاد پر نہ تھے بلکہ محض ضد ، تعصب اور بے جا نفرت پر مبنی تھے۔ ان کے دانشوروں نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اول تو مذہب کو دیس نکال دے دیا جائے اور اگر کسی نے مذہب کو ساتھ رکھنا ہی ہے تو وہ اس کا ذاتی معاملہ ہو گا جس کا ریاست سیاست یا معاشرت سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔[38]

اس علمی تحریک کی کامیابی اور کلیسا کی غلطیوں اور کوتاہیوں کے سبب مغرب میں مذہب بے زار معاشرہ پروان چڑھا جس نے ہر میدان میں مذہبی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے ہی میں کامیابی کا راز سمجھا، اور اپنے لیے مادہ ہی کو زندگی کا مقصد قرار دے دیا، بلکہ مادہ پرستی مذہب کا روپ دھار گئی۔ پروفیسر الیف الدین ترابی مذکورہ مقالہ میں ان مادہ پرستانہ نظریات وفلسفات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ مادی ترقی اور اس سے متعلق علوم وفنون کی ترویج میں حصہ ڈالنے والے تمام نامور فلاسفہ و مفکرین ایک ہی دین اور مذہب کے پیروہیں اور وہ مادہ پرستی ہے، اہل مغرب کی معاشرتی واجتماعی زندگی اسی لادین اور مادی فلسفہ کی مرہون منت ہے، اس لادین نظریہ کو پھیلانے اور نشر کرنے والے تو بہت زیادہ ہیں لیکن اس کے بانیوں میں اہم ترین نام ہیگل، کارل مارکس، ڈارون اور میکاویلی کا آتا ہے، اور دور جدید کے مذہب بے زار معاشرے کے سرغنہ اور بانی یہی حضرات ہیں۔[39]

اہل مغرب نے تقریباً دو صدیاں اس جہالت جدیدہ کے سائے میں گزارے لیکن نتیجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس مادیت اور مادہ پرستی سے بھی تنگ آچکے ہیں اور روحانی سکون کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں، اس طرح ذرائع ابلاغ کی ترقی اور میڈیا کے

اس عالمگیریت کے زمانے میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ مغربی انسان سکون قلب کی تلاش میں ہے، اس طرح کی تحقیقات سامنے آرہی ہیں کہ لوگوں نے مذاہب کا مطالعہ کثرت سے شروع کر دیا ہے جس میں مذہب اسلام بھی شامل ہے جو انسانی فطرت کے قریب تر ہے، اخباری رپورٹوں کے مطابق مغرب میں لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں، بطور خاص نائن الیون کے واقعات کے بعد میڈیا میں اسلام دشمنی کے عروج کے بعد اسلام کے بارے میں پڑھنے والوں کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے اور قبولیت اسلام کا تناسب بھی زیادہ ہوا ہے، اس لیے کہ مغرب کا انسان اس مذہب کے بارے میں لاعلم تھا یا غیر جانب دارانہ رائے نہ رکھتا تھا لیکن انٹرنیٹ کی ترقی اور مسلمان داعیان دین جو جدید ذرائع استعمال کر رہے ہیں ان کی محنتوں سے لوگوں کے گھروں تک یہ پیغام پہنچ چکا ہے اور لوگ میڈیا کی اس ترقی کے باعث اپنے گھروں میں بیٹھ کر اسلام کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، مکالمہ یہاں پر اپنا حق ادا کر رہا ہے، انٹرنیٹ پر اسلام کے متعلق مذاکرات مباحثے سوال جواب مکالمے ٹاک شوز، مناظرے یہاں تک کہ ہر نوع کے مکالماتی سلسلے چل نکلے ہیں اور نیک روحیں اسلام قبول کر رہی ہیں، اسی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا تھا:

وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[40]

ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

عالمگیریت کے زمانے میں ذرائع ابلاغ کی اس قدر ترقی کے سبب بدلتے ہوئے ماحول میں دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ایک طرف راستے بہت زیادہ کھل گئے ہیں تو دوسری طرف ان کی ذمہ داری بھی دوچند ہو گئی ہے، اسی طرح علماء دانشور و تعلیم یافتہ طبقہ اور اہل فکر و اہل قلم کے فرائض میں اضافہ ہو چکا ہے، ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"عالمگیریت کے ماحول میں علماء اساتذہ اور مفکرین کے فرائض منصبی بڑھ گئے ہیں، آج کے دور میں اساتذہ کرام ائمہ مساجد واعظین خطباء ادباء مصنفین اور ہر لکھنے پڑھنے والے کو عالمگیریت کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ مغرب سے اٹھنے والے عالمگیریت کے طوفان نے دعوت دین کے لیے ماحول ساز گار کر دیا ہے، اس دعوت کو دور حاضر میں پھیلانے کے کئی راستے کھول دیے ہیں، اس لیے کہ علوم و ٹیکنالوجی کی ترقی انٹرنیٹ، الیکٹرانک میڈیا، ذرائع مواصلات اور دیگر تیز ترین وسائل ابلاغ سے ماضی کی نسبت بہت بہتر انداز میں چہار دانگ عالم میں دعوت دین کو پہنچانے کا فریضہ ادا ہو سکتا ہے اور اس کو استعمال کرنا چاہیے"۔[41]

مزید لکھتے ہیں:

"عالمگیریت کے زمانے میں دعوت دین کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کی اشد ضرورت ہے اور مغربی عالمگیری ثقافت کی موجودگی میں اسلامی ثقافت کے فروغ کو دعوت کے ساتھ جوڑتے ہوئے مغربی تہذیب کا

مقابلہ کرنا ہو گا۔ عالمگیریت کے زمانے کے حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ایک مسلمان داعی دعوت کے ساتھ ساتھ بہترین انداز میں اسلامی و عربی ثقافت کے فروغ کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرے اور بطور خاص مسلم نوجوانوں اور مرد وخواتین کی اسلامی تربیت اور عام لوگوں کو دینی تعلیم دینے کا اہتمام کریں"۔[42]

دور حاضر کے آفاقی اور عالمی ذرائع ابلاغ اور عالمگیریت کے ماحول سے سب سے زیادہ فائدہ اسلام کو حاصل ہوا ہے۔ ماضی کی نسبت اسلام کی نشر واشاعت میں عالمگیریت کے زمانے میں زیادہ اضافہ ہوا ہے، عالمگیریت میں ہر شخص کے پاس اپنی بات پہچانے کے مواقع ہیں اور بعض ذرائع کے استعمال میں کسی کے لیے بھی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسلامی ثقافت و تاریخ بہترین اخلاقیات، اقدار اور روایات، ایثار ہمدردی، انصاف اور غمگساری کی امین ہے، اس کے بر خلاف مغربی تہذیب مذہب بے زار مادہ پرستی اور مفادات پر مبنی ہے۔ اس لیے موجودہ ماحول میں دین فطرت کے لیے پھیلنے کے زیادہ مواقع ہیں، اسلام تو اپنے آغاز ہی سے آفاقیت اور عالمیت کا دین ہے نبی ﷺ تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اسلام میں کسی کالے کو گورے پر یا کسی عرب کو غیر عرب پر کوئی فوقیت نہیں ہے، کسی قبیلے کو کسی دوسرے قبیلے پر فضیلت نہیں، اگر فضیلت کا معیار ہے تو وہ تقویٰ خدا خوفی اور دین پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ مسلمانوں نے تاریخ میں ثابت کیا ہے کہ مشرق سے مغرب تک حکومت کرتے ہوئے ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والوں نے بطریق احسن زندگی گزاری ہے، ہر مذہب کو آزادی دی گئی، اندلس میں آٹھ سو سال حکومت کرنے کے باوجود کسی پر زبردستی مذہب نہیں ٹھونسا گیا اور نہ ہی کسی مذہب کے پیروکاروں کے لیے کوئی رکاوٹ کھڑی کی گئی، ہندوستان میں کئی صدیوں تک حکومت کرنے کے باوجود کسی ہندو یا دیگر مذہب والے کو زبردستی مسلمان کیا گیا اور نہ ہی ان کو ملک بدر کیا گیا اور نہ ہی ان کی حقوق تلفی کی گئی، یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان حکمرانوں پر کوئی واضح الزام بھی نہیں لگا سکے۔

عالمگیریت کے زمانے میں مشرق و مغرب کی تہذیبوں سے تمام اچھی چیزیں اور اعلی اخلاق کی حامل اقدار وروایات کو جمع کیا جائے تو یقیناً وہی اسلامی اقدار ہوں گی، قرآن نے ادیان کے ماننے والوں کے لیے جو بنیاد فراہم کی ہے اس میں بھی مشترکات کو واضح کیا گیا ہے کہ باہم مشترک امور میں متفق ہو جانے سے معاملات حل ہوتے ہیں اور تہذیبوں کو قریب آنے کا موقع ملتا ہے، قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ اگر اہل کتاب کے دین سے تحریف و خرافات کو نکال دیا جائے اور اصل دین کے ساتھ مکالمہ کیا جائے تو دین اسلام میں شامل ہونے کے لیے کوئی امر مانع نہیں ہے ارشاد باری تعالی ہے:

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ"[43]

ترجمہ: اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔۔۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو۔ ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔

مکالمہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فریقین مشترکات پر مکالمہ کریں ایک دوسرے کے قریب آئیں ایک دوسرے کی بات سنیں اور اس پر غور کریں، دعوت کے میدان میں برسرپیکار رہنے والوں کے لیے اس آیت میں اساسیات فراہم کر دی گئی ہیں کہ علم و تقوی کے اسلحہ سے لیس ہو کر اخلاق و کردار کے اعلی معیار پر رہتے ہوئے عالمگیریت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عالمی دین کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے، بلکہ جہاں تک ممکن ہو مکالمے کو جاری رکھا جائے، تاکہ دعوت کے ابلاغ میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

دور حاضر میں الیکٹرانک میڈیا پر مکمل طور پر اغیار کا قبضہ ہے حق بات عوام الناس تک ٹی وی ریڈیو یا اخبارات کے ذریعے پہنچانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، یک طرفہ مؤقف بیان ہوتے ہیں، حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کیا جاتا ہے حکومتیں سرکاری مشنری کو اپنے موقف پر قائل کرنے کے لیے صرف کرتی ہیں ان حالات میں دعوتی تنظیموں اور اسلامی جماعتوں کے فرائض میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ موجود و میسر وسائل کا استعمال کرتے ہوئے اس دور اور ان حالات سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی شناخت کو اجاگر نے، دین حق کے سچے پیغام کو مسلم دنیا اور غیر مسلم بنی نوع انسان تک پہچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

دور حاضر میں بعض تنظیموں اور جماعتوں کو دہشت گرد کا نام دے دیا گیا ہے، چاہے ان کا شدت پسندی سے تعلق ہو یا نہ ہو، اور ان تنظیموں کے سرکردہ رہنماؤں کا مؤقف ذرائع ابلاغ پر نشر بھی نہیں ہوتا، نہ ہی ان کی طرف سے اس کا اعتراف ہوتا ہے، اس یک طرفہ صحافتی یلغار کے نتیجے میں حق کھل کر سامنے نہیں آسکتا اور نہ ہی باطل کا صحیح ادراک ہو سکتا ہے، ان حالات میں بھی مکالمہ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو حق و باطل، صحیح و غلط، اور فائدہ مند اور نقصان دہ امور کو چھانٹ کر سامنے لا سکتا ہے، اس لیے مختلف آراء کے حامل افراد کو کھل کر اپنا موقف عوام کے سامنے یا کم از کم عدلیہ کے سامنے رکھنے کا موقع مل جائے تو صحیح مسلمان اور قانون و شریعت اور آئین کے پابند مسلمانوں پر سے یہ الزام دھل سکتا ہے جو مغرب کی طرف سے ایک یلغار کی صورت میں مسلمانوں پر لگایا جارہا ہے۔

نتائج بحث:

1 مکالمہ عالمگیریت کے دور میں دعوت دین کی ترویج واشاعت کے لیے بہترین اسلوب ہے۔

2 مکالمہ دوستوں اور دشمنوں سب کے ساتھ بات چیت کے دروازے کھلے رکھنے کے لیے درست وسیلہ وذریعہ ہے۔

3 شریعت اسلامی کے اولین اور بنیادی ماخذ قرآن کریم میں مکالماتی اسلوب کی تعلیم دی گئی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی کے اپنی مخلوقات کے ساتھ مکالمات مذکور ہیں، اسی طرح انبیاء اور ان کی اقوام کے درمیان ہونے والے مکالمات بھی دعوتی اسلوب کی بہترین مثالیں فراہم کرتے ہیں

4 مسنون احادیث مکالمات پر مبنی ہیں۔ کم و بیش تین سو پندرہ متفق علیہ احادیث مکالمات پر مشتمل ہیں جو قریب قریب تمام موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جن سے دعوتی اسلوب اور دروس واسباق اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔

5 مکالمہ کے لیے جدل و مناظرے اور مباہلے کے ماحول سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے، نیز مکالمہ کو برابری کی سطح پر ہونا چاہیے، جس میں کسی قسم کا سیاسی عسکری یا مذہبی دباؤ نہ ہو۔

6 مکالمہ دور حاضر کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر نہ تو فریقین کے درمیان عدل ممکن ہے اور نہ ہی کوئی حقیقی ترقی ہو سکتی ہے ۔مکالمہ فکری و نظریاتی استبداد و شدت سے نکال کر فریقین میں عقل و شعور سے فیصلے کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے

7 کھلے ذہن سے ایک دوسرے کی بات سننے اور اس پر غور کرنے سے ہی مکالمے کا ہدف حاصل ہو سکتا ہے، اپنے آپ کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر رکھ کر جو مکالمہ کیا جائے وہ مکالمہ نہیں کہلاتا۔

8 عالمگیریت کے زمانے میں مکالمہ بین المذاہب نہیں بلکہ مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہونا چاہیے۔

9 مکالمہ کے لیے بعض موضوع مناسب ہیں اور بعض موضوعات ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کے لیے مکالمہ یا بحث و مباحثہ کرنا جائز نہیں جیسے الہیات غیبیات ناموس رسول اور ناموس صحابہ واکابر وغیرہ۔

10 دعوت دین کو پھیلانے کے لیے بہر حال مکالمات کا دروازہ کھلا رکھنا ہو گا اور ایسے موضوعات پر مکالمہ جاری رکھنا ہو گا جن کے سبب دعوت کی ترویج واشاعت ممکن ہو سکے۔شدت پسندی، نفرت بغض اور عداوت کو ایک طرف رکھتے ہوئے عظیم مقصد کے حصول کے لیے ذرائع ابلاغ کو عمل میں لاتے ہوئے عالمگیریت کے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مکالمات کی حیثیت اور اہمیت کی اجاگر کرنا ہو گا۔

حواشی و مصادر

---

[1] ديماس، محمد راشد، فنون الحوار والاقناع، دارابن حزم، ط:1، ص11

[2] النحلاوي، عبدالرحمن، أصول التربية الإسلامية وأساليبها، ط2، دارالفكر ، 1995م، ص206

[3] آل عمران:64/3

[4] البخاري، الجامع الصحيح، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ، رقمالحديث: 50، مسلم، الجامع الصحيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان ما هو، ح5

[5] ايضاً:كتاب الطلاق، باب:اذا عرض بنفى الولد، ح5305، مسلم، كتابالعان، رقم الحديث:1500

[6] البسام أبو عبد الرحمن عبد الله بن عبد الرحمن بن صالح(المتوفى:1423ھ)تيسير العلام شرح عمدةالأحكام:ج1، ص616تحقيق:محمدصبحي بن حسن حلاق، مكتبة الصحابة، الأمارات، مكتبة التابعين، القاهرة، 2006م

[7] يوسف:108/12

[8] ابن هشام، عبد الملك، السيرة النبوية، ج26، ص36، دار الفكر بيروت

[9] أيضاً:ج26، ص291

[10] ڈاکٹر محمود احمد غازی 1950-2010ء دور حاضر کے مشہور محقق اور دانشور ہیں آپ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے صدر کے منصب پر فائز رہے، دعوہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل اور فیصل مسجد کے پہلے خطیب ہونے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے، آپ نے بھرپور علمی زندگی گزاری آپ کئی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے دنیا کے متعدد ممالک میں علمی وادبی اداروں اور تنظیموں کے رکن تھے اور دین و شریعت سے متعلق قریب قریب تمام موضوعات پر قوم کی رہنمائی کی ہے، قرآن حدیث فقہ

عقیدہ، سیرت تقابل ادیان، قانون، عربی زبان آپ کے اہم موضوعات تھے، ڈاکٹر صاحب کی کئی کتابیں مقالہ جات تقاریر اور آڈیو وڈیو اس وقت دستیاب ہیں۔

[11] ڈاکٹر محمود أحمد غازی، عالمگیریت اور تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کی ضرورت، ص72

[12] نام عبدالرب بن نواب الدین ہے آپ 1378ھ میں مدینہ منورہ میں پیداء ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد شریعہ میں انہوں نے مدینہ منورہ سے 1498ھ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد تدریس سے وابستہ ہوگئے، اور مختصر عرصے میں یونیورسٹی میں پروفیسر کے منصب تک پہنچ گئے انہوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں مختلف مناصب پر رہتے ہوئے خدمات پیش کی ہیں اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے بھی وابستہ رہے ہیں، متعدد علمی مقالے شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ دعوت کے موضوع پر شائع ہونے والی کتب درج ذیل ہیں :وسطية الإسلام ودعوته إلى الحوار،تدريب الدعاة على الأساليب البيانية،أساليب دعوة العصاة۔موقع الدكتور آل نواب عبد الرب نواب الدين۔

[13] آل نواب، الدكتور عبد الرب،وسطية الإسلام ودعوته إلى الحوار، الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة 1425هـ، ص1

[14] الأنعام:108/6

[15] ابن هشام،عبد الملك، السيرة النبوية،ص36/26،دار الفكر بيروت

[16] أيضاً:،ص291/26

[17] الأعراف:18-12/7

[18] قرآن کریم میں کئی مقامات پر موسی علیہ السلام کے مکالمے مذکور ہیں جیسے سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران سورۃ طہ وغیرہ

[19] البقرة:258/2

[20] الأعراف69/7،هود32/11

[21] الشهرستانی، محمد بن عبد الكريم بن أبي بكر، الملل والنحل، اس کتاب میں مختلف صفحات پر مکالمات کا تذکرہ موجود ہے، دار المعرفة بيروت، ص1404

[22] ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اپنی تصنیفات میں اس اسلوب کو خوب اجاگر کیا ہے یہ اسلوب دعوت کئی ایک کتب و تآلیفات میں ملتا ہے۔

[23] دعوتی اسلوب میں لکھی جانے والی کتب میں بالعموم مکالماتی اسلوب ملتا ہے بطور خاص مولانا مودودی نے "قادیانیت" مکالماتی اسلوب میں تصنیف کی ہے.

[24] Clash of Civilizations? By: SamuelHuntington, summer 1993.

[25] دكتوراحمد سيف الدين، الحوار بين اصحاب الأديان،ص12كليه الدعوة والإعلام جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية الرياض

[26] ايضاً:ص12

[27] ایضاً

[28] الأنبياء:107/21

[29] الأعراف:158/7

[30] البخاري،الجامع الصحيح،رقم الحديث438

[31] آل عمران110/3

[32] آل عمران104/3

[33] مسلم بن الحجاج الجامع الصحيح،باب بيان أن الدين النصيحة،رقم الحديث82

[34] ڈاکٹر محمود احمد غازی(1950-2010ء) 1981 میں ادارہ تحقیقات اسلامی سے جاری ہونے والے عربی میگزین الدراسات الإسلامیہ کے ایڈیٹر تھے آپ نے جو اداریہ لکھا،اس وقت کی فکری غلامی پر بھرپور تبصرہ ہے اور امت کے اہل علم طبقہ کی آنکھیں اور دل ودماغ کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

[35] مجلة الدارسات الاسلامية شماره3،مارچ*1981* ء،اداريه،اداره تحقيات اسلامی اسلام آباد

[36] ایضاً

[37] ایضاً

[38] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر الیف الدین ترابی،دور حاضر کے جاہلانہ نظریات اور مغربی تہذیب پر اس کے اثرات مقالہ،بین الاقوامی انسٹیٹیوٹ برائے تعلیم تحقیق اسلام آباد۔

[39] ایضاً:ص22

[40] البقرة:216/2

[41] ڈاکٹر محمود احمد غازی،العولمة: ص72. یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب نے عربی زبان میں لکھا اور جدہ میں عالمگیریت کے موضوع پر ہونے والی ایک کانفرنس میں پیش کیا تھا۔

[42] ایضاً

[43] آل عمران:64/3۔